Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اختر رضا سلیمی کے ناولوں میں مابعد جدید عناصر: تحقیقی و تنقیدی جائزہ

1. محمد زیارف
2. ڈاکٹر ارشد محمود آصف (ارشد معراج)

Abstract:

Akhtar Raza Saleemi is a well-known Urdu poet, fiction writer, critic and editor. He started his literary career in poetry, but nowadays he is popular among the Urdu critics and readers for his novels. He has written two novels till now. His first novel "Jaagay Hain Khab Men" and second is "Jandar". He used many postmodern techniques in his novels. In this article we will explore and analyse these postmodern techniques to place these novels in postmodern Urdu literature.

اختر رضا سلیمی بحیثیت شاعر اپنی ایک پہچان رکھتے ہیں۔ انھوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ ناول، ادارت اور تنقید کے میدان میں بھی اپنا زورِ قلم صرف کیا ہے لیکن ان کی اولین پہچان شاعری ہے۔ انھوں نے شاعری میں ایک عرصے تک صرف غزل کو ہی اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کے بقول:

"میں شاعری بلکہ صرف اور صرف غزل کی حد تک محدود ہو گیا اور ۲۰۰۸ء تک تو غزل کے علاوہ کچھ کہا ہی نہیں۔"(۱)

وہ اپنی شاعرانہ مقبولیت کے باوجود شاعری سے زیادہ مطمئن نہیں تھے لہٰذا وہ نثر کی طرف متوجہ ہوئے اور اب تک ان کے دو ناول شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا پہلا ناول "جاگے ہیں خواب میں" مارچ ۲۰۱۵ء میں اور دوسرا "جندر" اکتوبر ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔ دونوں ناولوں کے اب تک تین، تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ وہ شاعری سے ناول کی طرف مراجعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ میں صرف ناول ہی میں اپنے آپ کو پوری طرح لکھ پایا ہوں اور میرا کتھارسس جس طرح ناول لکھتے ہوئے ہوا، شاعری کرتے ہوئے نہیں ہو سکا تھا۔" (۲)

شاعری سے ناول کی طرف جست بحیثیت تخلیق کار اختر رضا سلیمی کے لیے بہت زیادہ مقبولیت کا باعث بنی۔ ان کے ناول عوام و خواص میں بہت زیادہ مقبول ہوئے اور وقت کے ثقہ نقادوں سے قبولیت کی سند حاصل کی۔ اس تناظر میں محمد سلیم الرحمان اور مستنصر حسین تارڑ کی آراء بطور مثال پیش کی جاتی ہیں۔ محمد سلیم الرحمان لکھتے ہیں کہ:

"اختر رضا سلیمی کے اس ناول کو تجرباتی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسے حقیقت پسندانہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ناول کے مندرجات میں کوئی بھی ایسی بات نہیں جو سراسر خیالی ہو۔" (۳)

مستنصر حسین تارڑ کے مطابق:

"اختر رضا سلیمی کا ناول 'جاگے ہیں خواب میں' ناول نگاری کے فن میں ایک حیرت انگیز جست ہے.... یہ اُردو ناول نگاری کا وہ خواب ہے، جسے ہم ایک مدت سے دیکھ رہے تھے، ہمیں اس کی آمد پر کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرنا چاہیے۔" (۴)

ریسرچ سکالر (اردو)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ناول "جاگے ہیں خواب میں" میں اختر رضا سلیمی نے خواب اور اجتماعی لاشعور کی کیفیات کو اپنا موضوع بنایا ہے اور اس تناظر میں وقت کی تقسیم کو کرداروں کے ذریعے بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ انھوں نے حال میں کھڑے ہو کر ماضی اور مستقبل کی دونوں جہتوں کو بیک وقت احاطے میں لانے کی کوشش

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کی ہے۔انھوں نے اپنے دوسرے ناول "جندر" میں ناول کے مرکزی کردار "جندروئی" کو بطور علامت پیش کرتے ہوئے اپنی مٹتی ہوئی تہذیبی اقدار کا نوحہ پیش کیا ہے۔

انھوں نے دونوں ناولوں میں اسلوبیاتی سطح پر مابعد جدید تکنیکوں کا زیادہ استعمال کیا ہے۔ان کے ناولوں میں مابعد جدید عناصر میں سے جادوئی حقیقت نگاری، طنز، بین المتونیت، فنی مخطوطہ، سیاہ مزاح، تاریخی بیانیہ وغیرہ کا برتاؤ بکثرت ملتا ہے جس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اختر رضا سلیمی کے ناول مابعد جدید فکشن کی تعریف پر پورا اُترتے ہیں۔

مابعد جدیدیت تکثیریت پسند فلسفہ ہے۔یہ متعدد نظریات پر مشتمل ہے۔اس لیے اس کی کوئی واحد اور حتمی تعریف ناممکن ہے بلکہ اس کی واحد اور حتمی تعریف کا تعین مابعد جدید فکر کے بھی خلاف ہے۔مابعد جدیدیت ہر قسم کی فارمولہ سازی کو مسترد کرتی ہے۔البتہ کچھ مخصوص تعقلات اور تصورات کی بنا پر ہم مابعد جدیدیت کی پہچان کرتے ہیں۔انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق مابعد جدیدیت:

> "۱۹۶۰ء کی دہائی میں شروع ہونے والی تحریک جو ادب اور فن میں جدیدیت کی جاری روایت اور فلسفے کو چیلنج کرتی ہے۔۔۔۔۔مابعد جدیدیت تنقیدی تھیوریوں خصوصاً ساخت شکن تھیوری اور اس کی ذیلی شاخوں کے پھیلاؤ کا نام ہے۔"(۵)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے مابعد جدیدیت کے اہم خصائص کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> "تکثیریت، بے مرکزیت، بھرپور تخلیقیت، رنگارنگ ، بوقلمونی، غیر یکسانیت اور مقامیت بمقابلہ کلیت پسندی و آمریت مابعد جدیدیت کے نمایاں خصائص ہیں۔"(۶)

مابعد جدیدیت کے متعلق ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> "مابعد جدیدیت زبان میں لکھی گئی حقیقتوں کی تشکیل کے عمل اور اس میں حصّہ لینے والی سماجی قوتوں، اِن قوتوں کی حکمت عملیوں اور ان کے مضمرات کا مطالعہ کرتی ہے۔" (۷)

مابعد جدیدیت کی تفہیم، صورتِ حال اور تھیوری کی تقسیم کے ساتھ کی جا رہی ہے۔مابعد جدید صنعتی دور میں وقوع پذیر ہونے والی صورتِ حال کو مابعد جدید صورتِ حال یا پوسٹ ماڈرنیٹی کا نام دیا گیا ہے جب کہ پوسٹ ماڈرن صورتِ حال کو نظریانے (Theorization) کے بعد اسے تھیوری کی شکل دی گئی ہے اور اسے مابعد جدیدیت یا پوسٹ ماڈرن ازم کا نام دیا گیا ہے۔

> "Postmoderity and postmodernism are ..... closely related terms after with the former as the 'condition' in which the later 'style' becomes dominent(8)".

گویا پوسٹ ماڈرنیٹی، مابعد جدید صورتِ حال کے لیے اور پوسٹ ماڈرن ازم کی اصطلاح مابعد جدید اسلوب (style) کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

مابعد جدید صورتِ حال کا تعلق گلوبلائزیشن (Globaliztion) سے ہے جس نے پوری دُنیا کو گلوبل ولیج (Global Village) بنا دیا ہے۔اس صورتِ حال میں سب سے اہم کردار میڈیا کا ہے۔اب پوری دُنیا میڈیا سوسائٹی میں بدل گئی ہے۔یوں اب دُنیا کے کسی بھی خطے میں رونما ہونے والے واقعات سیکنڈوں میں دُنیا کے کونے کونے میں اپنے اثرات پہنچا دیتے ہیں۔اس لحاظ سے دُنیا کا کوئی خطہ یا معاشرہ مابعد جدید صورتِ حال کے اثرات سے خالی نہیں ہے۔ورلڈ وائڈ ویب (w.w.w.) کے ذریعے پوری دُنیا اور اس کے تمام باشندے ایک جال کی صورت میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔مابعد جدید صورتِ حال ٹیلی ٹیکنالوجی کی ایجاد، گلوبلائزیشن کے ظہور، مابعد صنعتی سماج اور صارفیت سماج میں امیجز (images) کی طاقت کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔

مابعد جدیدیت نے کلیت پسندی کے بجائے مقامیت کو اہمیت دے کر اس گلوبلائزیشن کو چیلنج کیا ہے، اسی لیے مابعد جدیدیت کی سب سے اہم خصوصیت آفاقیت کے بجائے مقامیت پر زور ہے۔اس تناظر میں معدوم ہوتی ہوئی مقامی ثقافت کی اہمیت اور احیاء مابعد جدید تخلیق کار کا اولین مقصد ہوتا ہے۔جدید رویوں کے فروغ، بہتر مستقبل کے حصول، بہتر ذرائع معاش کی تلاش اور سہانے خوابوں کی تکمیل کے لیے افراد کی دیہاتوں سے شہروں کی طرف منتقلی کے نتیجے میں ثقافتی بیگانگی کا پیدا ہونا لازمی امر تھا۔اس بیگانگت کے نتیجے میں فرد پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ثقافت کی اہمیت آشکارہ ہوتی جاتی ہے اور وہ اپنی ثقافت کی طرف پلٹنے کی آرزو کرتا ہوا نظر آتا ہے۔اپنی مٹتی ہوئی ثقافت کا کرب بھی مابعد جدید دور کا ایک بڑا المیہ ہے جسے آج کا ادیب اپنی تخلیقات میں اُجاگر کرتا

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہوا ملتا ہے۔ یوں جب ہم اختر رضا سلیمی کے ناولوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں متن میں ہر سو مقامیت گندھی ہوئی ملتی ہے۔ اختر رضا سلیمی نے اپنے ناولوں کے موضوعات کو احاطہ تحریر میں لاتے ہوئے تہذیب و ثقافت سے لے کر تاریخ و جغرافیہ تک مقامیت کو ہی برتا ہے۔ محمود احمد قاضی ان کی اس خصوصیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اختر رضا سلیمی کی لکھت میں ایک عمدہ ہنر یہ پوشیدہ ہے کہ وہ دور کی کوڑی نہیں لاتا۔ وہ اپنے لوگوں اور اپنے وسیب کی بات کرتا ہے۔ جنگل، پہاڑ، ندیاں سخت کرخت زندگی، کانٹے دار جھاڑیاں، ندیاں، مچھلیاں، مرن جیون یہ سب کچھ اس کا اپنا ہے۔"(۹)

ان کا دوسرا ناول "جندر" خاص طور پر مقامی تہذیب و تمدن کی مٹتی ہوئی اقدار کا نوحہ ہے جس میں ناول نگار نے "جندر" اور "جندروئی" کو علامت بناتے ہوئے قدیم اور جدید تہذیب کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ اس تناظر میں ڈاکٹر شاہد نواز لکھتے ہیں:

"جندر" المیاتی رنگ اور کیفیت میں ڈوبا ہوا ایسا ناول ہے جس نے مٹتی ہوئی مقامیت کو دل آویز بنا کر پیش کیا ہے۔..... جندروئی دراصل اس مقامیت کی آخری نشانیوں میں سے ایک ہے، جو مٹنے کے قریب ہے۔ اس ناول نے اس مٹتی مقامیت کو نہایت دل آویز شکل میں محفوظ کر لیا ہے۔"(۱۰)

مابعد جدیدیت کا اطلاق لسانیات، بشریات، سیاسیات، نفسیات، تعمیرات، فلسفہ، آرٹ، فلم اور میڈیا کے ساتھ ساتھ ادب پر بھی ہوا ہے۔ مابعد جدیدیت نے جس طرح سے روایتی تصورات کی کایا کلپ کی ہے اور صدیوں سے رائج تصورات کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ ایسے ہی ادب کو جانچنے کے سابقہ معیارات اور اصولوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب ادب خود مختار اور خود مکتفی نہیں ہے اور نہ ہی یہ سماج کا عکس ہے۔ نہ ہی ادب مصنف کی منشا کا ترجمان اور اس کی زندگی کا عکاس ہے۔ اس تناظر میں ادب اور اس کی جملہ اصناف میں بھی سابقہ اور روایتی ترکیب و ترتیب بدل گئی ہے۔ یقینی طور پر اُردو ادب اور اس کی جملہ اصناف نے بھی مابعد جدید اثرات قبول کیے ہیں۔ جس طرح جدیدیت کے زیر اثر لکھا جانے والا اُردو فکشن اپنے موضوعات، ہیئت اور اسلوب کی بنا پر اپنی علیحدہ پہچان رکھتا تھا۔ ایسے ہی مابعد جدید فکشن خصوصاً ناول اور افسانہ بھی اپنی جداگانہ اسلوبیاتی خصوصیات رکھتے ہیں، جن کی بنا پر انھیں مابعد جدید قرار دیا جاتا ہے۔

"مابعد جدیدیت کے تحت ایسا ادب تخلیق ہو رہا ہے جس نے تکنیک، ہیئت اور اسلوب کے روایتی تصورات کو ختم کیا ہے اور فکشن کے روایتی عناصر کو رد کر کے اس کی بنیاد بالکل نئے اور مختلف عناصر پر قائم کر دی ہے۔"(۱۱)

مابعد جدید ادب کے اسلوبیاتی خصائص کے بارے میں لٹریری ٹرمز اینڈ لٹریری تھیوری میں لکھا ہے کہ:

....."there is literature which tends to be non-traditional and against authority and signification ..... on ectectic approach, aleatory writing, parody and pastiche. Nor should we forged the importance of what is called magic realism in fiction, new modes in science fiction, the popularity of new-Gothic and the horror story(12)".

اس تناظر میں مابعد جدید فکشن کے اہم عناصر درج ذیل ہیں:

طنز خفی (Irony)، بین المتونیت (Intertextuality)، فنی مخلوطہ (Pastiche)،
جادوئی حقیقت نگاری (Magical Realism)، سیاہ مزاح (Black Humour)،
تاریخی بیانیہ (Historiographic Metafiction)،
زمانی انتشار (Temporal Distortion) اور سنسنی خیزی (Paranoia) وغیرہ۔

آئندہ صفحات میں مابعد جدید عناصر کی تفہیم کے ساتھ ساتھ اختر رضا سلیمی کے دونوں ناولوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان میں موجود مابعد جدید عناصر کو دریافت کیا جائے گا اور انھیں مختصراً بطور نمونہ پیش کیا جائے گا۔

طنز خفی (Irony)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

طنز مابعد جدید ادبی تکنیک ہے جس میں فکشن نگار معاشرے کی ناہمواریوں اور کمزوریوں کو نہایت مضحک انداز میں پیش کرتا ہے۔ مابعد جدید ادیب، وہ پہلے ادیب نہیں ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقات میں طنز کو برتا ہے بلکہ قبل ازیں بھی ہر زبان کے ادب میں طنز کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود رہا ہے۔ البتہ مابعد جدید ادیبوں نے اس کا استعمال اس بہتات سے کیا کہ یہ طنزیہ اسلوب مابعد جدیدیت کا ایک امتیازی حوالہ بن گیا۔

عام طور پر طنز کسی جلی کٹی بات کو کہتے ہیں البتہ بعض اوقات طنز لطیف بھی ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات کسی نہایت سنجیدہ موضوع کو بھی تخلیق کار مزاحیہ انداز میں بیان کر کے طنز پیدا کرتا ہے۔ اس حربے کے استعمال سے تخلیق کار اپنے عہد کے طاقت ور افراد اور عوامی اندازِ فکر کو چیلنج کرتا ہے اور معاشرے میں نئی سوچ و فکر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بظاہر مشکل اور اہم موضوعات کو کھیل کھیل اور طنزیہ انداز میں بیان کر دیتا ہے۔

"A situation in which something which was intended to have a particular result has the opposite or a very different result[13] ".

ادب خصوصاً فکشن میں طنز کا استعمال ہمیشہ سے تخلیق کاروں کے پیش نظر رہا ہے لیکن گزشتہ صدی میں رونما ہونے والے ہولناک واقعات خصوصاً دو عالمی جنگوں، خلیجی جنگوں، عرب اسرائیل جنگ، افغانستان پر امریکہ اور اتحادیوں کی مسلط کردہ جنگ، سرد جنگ، اقوام متحدہ کے جانبدارانہ کردار اور اسلاموفوبیا جیسے سانحات و واقعات اور نظریات نے حساس ادیبوں کو شدید اضطراب اور بے چینی کا شکار کیا۔ ان ادیبوں نے مابعد جدید فکشن میں ان رویوں کو بالواسطہ طور پر طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ اس تناظر میں جب ہم اختر رضا سلیمی کے ناولوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے ناولوں میں طنزیہ تکنیک کا بہت زیادہ استعمال ملتا ہے۔ ان کے ناولوں سے بطور نمونہ چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

"جب اسلام آباد میں گاڑی چلاتے ہوئے اس نے سرخ اشارہ کراس کر لیا تھا اور سارجنٹ نے نمک مکانہ کرنے پر، اس کے ہاتھ میں سو روپے کا چالان تھما دیا تھا۔ وہ آج تک نہیں سمجھ پایا تھا کہ اسے یہ جرمانہ قانون توڑنے کی وجہ سے ادا کرنا پڑا تھا یا نمک مکانہ کرنے پر۔"[۱۴]

"اپریل کی ایک سرد رات، دُنیا کا سب سے بڑا، سب سے شان دار اور محفوظ ترین بحری جہاز "ٹائی ٹن" بحر اوقیانوس میں رواں دواں ہے۔ ناول کے ایک کردار کا دعویٰ ہے کہ، خُود خُدا بھی اس جہاز کو نہیں ڈبو سکتا۔"[۱۵]

"بہت سی اہم مساواتیں ابتدا میں مابعد الطبیعیاتی تھیں۔ یہاں تک کہ آئن سٹائن کی الہامی مساوات $E = mc^2$ بھی۔ میں اسے الہامی ہی سمجھتا ہوں کیوں کہ میں تصور تک نہیں کر سکتا کہ اتنی بڑی آیت کائنات پینٹ آفس کے ایک کلرک پر اُتر سکتی ہے اور وہ بھی ایک جونیئر کلرک پر۔"[۱۶]

"اس کی بیوی کے لیے سب سے بڑا مسئلہ گاؤں کی وہ عورتیں ہوں گی جن سے ملتے ہوئے اسے ہمیشہ گھِن آتی تھی، لیکن اب تو اسے ان سے بغل گیر ہو کر باقاعدہ بین بھی کرنے ہوں گے۔ ان کے جسموں سے آنے والی پسینے، گوبر اور نسوار کی بساند اسے کئی دن تک چین سے سونے نہیں دے گی۔"[۱۷]

"اُن ملزموں کے دونوں ہاتھوں میں لوہے کی ہتھ کڑیاں ہوتیں، جن کے دوسرے سرے گھوڑوں کی زین میں بندھے ہوتے تھے۔ نیکریں پہنے مقامی سپاہی ہاتھوں میں ڈنڈے لیے گھوڑوں کے ساتھ ساتھ انھیں بھی ہانک رہے ہوتے تھے۔ افسروں کے گھوڑوں پر تو انھیں ڈنڈے برسانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی البتہ جب کبھی کوئی بھگوڑا (ملزم) تھک کر ہانپنے لگتا تو وہ اس پر خوب ڈنڈے برساتے۔"[۱۸]

"گاؤں کے مولوی صاحب ان لوگوں کو تو معاف کر دیتے تھے جو صرف نمازِ عید پڑھنے سال کے بعد مسجد کا رُخ کرتے لیکن "لیٹری" سے غیر حاضر ہونے والوں کو یوں دیکھتے تھے جیسے وہ کافر ہوں۔"[۱۹]

بین المتونیت (Intertextuality)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

بین المتونیت کی اصطلاح مابعد جدیدیت میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ یہ اصطلاح فرانسیسی نقاد جولیا کرسٹیوا نے وضع کی۔ بین المتونیت سے مراد دیگر متون کی مدد سے کوئی نیا متن تشکیل دینا ہے۔

"A broad range of ways in which one text may reference another text, that are predominatly based on that utilisation of intertexual references - often through the use of apporpriating characters or settings are considered to be postmodern text[20] ".

بین المتونیت سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی متن میں متنوع متون عمل آرا ہوتے ہیں اور یہ تمام متون پہلے سے موجود ہوتے ہیں، نیز پہلے سے موجود یہ متون بھی اپنے سے قبل موجود متون پر منحصر اور ان کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ عمل سلسلہ در سلسلہ یونہی آگے بڑھتا رہتا ہے اور نئی نئی تخلیقات سامنے آتی رہتی ہیں۔

بین المتونیت کی رو سے کوئی بھی متن اپنی انفرادیت اور خود مکتفی ہونے کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ یہ اپنی تشکیل کے لیے ماقبل موجود متون کا دستِ نگر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کوئی بھی ناول، افسانہ، ڈرامہ یا فلم کی تخلیق میں پہلے سے موجود متون ہی کام آتے ہیں۔ یوں کوئی بھی تخلیق کار اپنا ذاتی، انفرادی اور خود مختار متن تخلیق نہیں کرتا۔ وہ پہلے سے موجود متون کی بازیافت کرتا ہے جو اس نے پڑھ رکھے یا سُن رکھے ہوتے ہیں، تخلیق کار فقط ان متون کی قلب ماہیت کے بعد انھیں نئی شکل عطا کرتا ہے۔ بین المتونیت کے حوالے سے ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

"بین المتونیت اتنی وسیع اور جامع اصطلاح ہے کہ اس کے دائرہ کار میں محض کتابی اور تحریری متن نہیں آتا بلکہ لسانی اظہار کے ساتھ سماجی یا ثقافتی مظاہر، لفظوں کی گرفت میں آنے والے حقائق کے علاوہ معرض اظہار میں نہ آنے والا اظہار، ماضی کے مسلمات، ثقافتی طور پر رائج تصورات، نسلی حافظہ اور کہاوتوں یا تلمیحوں کے نام سے متداول قصوں اور کہانیوں جیسے اظہار و بیان کے سارے اسالیب، اسی طریق کار کے ذریعے متن کے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں۔"[۲۱]

اختر رضا سلیمی کے ناولوں میں بین المتونیت کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ان کی اس خصوصیت سے متعلق محمود شام کی رائے ہے کہ:

"یہ ناول صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں اختر رضا سلیمی نے کمال مہارت سے طبیعیات، مابعد الطبیعیات، نفسیات، مذہبیات، تاریخ، فلسفہ اور سائنس جیسے متنوع علوم کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔" [۲۲]

یوں تو تمام کا تمام ادب ہی بین المتونیت کے زمرے میں آتا ہے لیکن پھر بھی سلیمی کے ناولوں میں سے نمونے کے طور پر کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

"اس نے اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھا ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ وقت اور خلا ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں۔ ہم اس وقت تک خلا میں نہیں دیکھ سکتے جب تک پیچھے مڑ کر وقت میں نہ دیکھیں۔" اس نے خلا میں گھورتے ہوئے سوچا۔
پھر اس نے اپنی آنکھوں کی پتلیوں کو ہلکا سا جنوب کی سمت گھمایا اور دب اکبر (Big Dipper) کو تلاش کرنے لگا۔ جس کے بارے میں اس نے کہیں پڑھ رکھا تھا کہ اس کی عمر صرف دس لاکھ سال ہے اور اس دوران میں کئی شکلیں بدل چکا ہے۔
"ہمارے آباؤ اجداد نے یہاں ایک بالکل مختلف منظر دیکھا ہو گا" اس نے بِگ ڈِپر پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے خود کلامی کی۔
"یقیناً ہماری آنے والی نسلیں بھی یہاں مختلف منظر دیکھیں گی۔"
"لیکن کب؟" اس نے سوال اُٹھایا۔
"شاید دس لاکھ سال بعد۔" اس نے مبہم سا جواب ڈھونڈا۔"[۲۳]
"کل چاند کی پندرھویں ہے۔ تپ دق کا پہلا دن۔" اس نے الدبران سے نظریں ہٹا کر چاند پر ٹکاتے ہوئے سوچا۔ لحظہ بھر کے لیے اسے لگا جیسے چاند واقعی تپ دِق کا دائمی مریض ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے چاند سے نظریں ہٹا کر دوبارہ الدبران پر مرکوز کر لیں، جو اس کے نصابی علم کے مطابق زمین سے پینسٹھ نوری سال کے فاصلے پر تھا۔"[۲۴]

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"بھوک، شہوتِ جنس اور تحفظ ذات کی طرح، شاید رونا بھی انسان کی جبلت میں شامل ہے۔ وہ پیدا ہوتے ہی جو پہلا کام پوری تن دہی سے سرانجام دیتا ہے، وہ رونا ہی ہے۔ اگر وہ پیدائش کے وقت نہ روئے تو گھر والے پریشان ہو جاتے ہیں، اسے رلانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے؛ اور جب وہ روتا ہے تو اس پر خوشی کے شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ پھر وہ اسے اپنا وطیرہ بنالیتا ہے اور اپنی جبلی خواہشات کا اظہار بھی رو کر ہی کرتا ہے۔ جب تھوڑا سیانا ہوتا ہے تو اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور اپنی ہر جائز اور ناجائز ضد اسی کے ذریعے منواتا ہے۔ جوانی میں وہ اپنے محبوب یا محبوبہ کو آنسوؤں ہی کے ذریعے رام کرتا ہے اور بڑھاپے میں اپنی جوانی کو یاد کر کے روتا رہتا ہے۔"(۲۵)

"شدید سردی اور آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ان کے دماغ کے دائیں حصے میں سوجھن ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ 'Cerebral Edema' کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ کومے کی ایک شکل ہوتی ہے۔"(۲۶)

" "ہے بدھا، ہے دھرما، ہے سنگھا۔" اس کی آنکھوں میں آنند سادھو کا چہرہ لہرایا، جو لال رنگ کی چادر میں لپٹا، دھرماراجیکا میں موجود مہاراجہ اشوک کے محل کے پچھواڑے واقع اسٹوپ کے گرد چکر لگا رہا تھا جس پر "عاؤسہ فروس" کے الفاظ درج تھے۔ اس کے کاندھے سے ایک چرمی تھیلا لٹک رہا تھا۔ وہ نہ صرف "ہے بدھا، ہے دھرما، ہے سنگھا" کی مالا جپے جا رہا تھا بلکہ 'اوم مانی پدمی اوم' کا راگ بھی الاپ رہا تھا۔ یوں اس کی ذات میں ہنایان اور مہایان دونوں فرقے جمع ہو گئے تھے۔"(۲۷)

"خلا بھی عجیب شے ہے، جو بیک وقت ہے بھی اور نہیں بھی۔ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ گرنڈے کے کانٹے کی نوک جتنا مادہ اس کے ہاتھ لگا اور اس میں داخل ہو کر اس نے اسے چودہ ارب نوری سال کو محیط ایک وسیع کائنات بنا دیا۔ اگر مادے سے خلا خارج ہو جائے تو پھر سے ایک ذرے ہی میں سمٹ آئے۔ پھر شاید یہ ذرہ، ضد مادہ سے ٹکرا کر فنا ہو جائے اور پیچھے وہی خلا رہ جائے۔"(۲۸)

"بجو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کائنات کی واحد مخلوق ہے جسے انسانی ٹخنوں میں دھڑکتی اس رگ کا پتہ ہوتا ہے جسے پکڑنے سے مردہ اُٹھ کر چلنا شروع کر دیتا ہے۔۔۔۔ آدھی رات کے وقت بجو انسانی لاش کی بو پا کر قبرستان میں داخل ہوتا ہے اور اپنے پنجوں سے قبر کھود کر اس میں اُترتا جاتا ہے اور لاش کو اسی تنگ سوراخ سے گھسیٹ کر باہر نکالتا ہے اور پھر پاؤں کی طرف سے کفن پھاڑ کر ٹخنوں میں موجود اس کی رگ کو پکڑ کر مردے کو اپنے ساتھ چلا کر اپنے بل میں لے جاتا اور اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اگلے تین چار دنوں میں اسے چٹ کر جاتا ہے۔"(۲۹)

فنی مخطوطہ (Pastiche)

فنی مخطوطہ کی تکنیک بھی بین المتونیت کے قریب قریب ہے۔ یہ تکنیک بھی مابعد جدید ادب میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا متن جس میں بہت سی اصناف کے اجزا باہم ملے ہوئے ہوں۔ اس تکنیک میں کسی فن پارے کا ٹکڑا، خصوصاً ادب میں ڈرامہ، آرٹ یا دیگر بہت سی اصناف کو یکجا کر دیا جاتا ہے۔ اس تکنیک میں کسی سابقہ تخلیق کار کا اسلوب یا کسی سابقہ زمانے کے مروج اسلوب کو نقل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نقل ہو بہو نقل نہیں ہوتی بلکہ اس نقل سے نئے نئے معانی پیدا کیے گئے ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی رقم طراز ہیں:

"روایت مابعد جدید نقطہ نظر کے لیے اس وقت قابلِ توجہ بنتی ہے جب اس کے ذریعے ماضی یا ماضی کے معروضات اور مسلمات ثقافتی یا ادبی متن کے طور پر نمودار ہوتے ہیں اور کسی دوسرے متن کی تشکیل کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔۔۔۔ مابعد جدیدیت تلمیح کو براہِ راست زیر بحث نہیں لاتی بلکہ اس کے وسیلے سے ثقافتی متن کو موضوع بناتی ہے۔"(۳۰)

گویا فنی مخطوطہ کی تکنیک میں تخلیق کار سابقہ ادوار کے ادبی اسالیب اور ہیئتوں کو ملا کر ایک نیا جہاں معنی، ایک نیا مفہوم اور ایک نیا بیانیہ تشکیل دیتا ہے، یوں یہ ایک ترکیبی تکنیک ہے۔ اختر رضا سلیمی نے اپنے ناولوں میں فنی مخطوطہ کی تکنیک کا بکثرت استعمال کیا ہے۔ بطور نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

ناول کے متن میں آزاد نظم کا اسلوب دیکھیے:

"میں ہرو ہوں
ہزاروں برس سے یوں ہی اپنی رو میں بہے جا رہا ہوں
مری اور گلیات کی چھاتیوں سے نکلتی ہوئی دودھیا آبشاریں
مرے ظرف کو آزماتی رہی ہیں
مگر میں نے اپنے کنارے بہار ایستادہ رکھے
تا کہ چاہوں بھی، تو اپنے آپے سے باہر نہ ہو پاؤں میں
قسم ہے زمانے کی
میں نے کسی بھی زمانے میں اپنے کنارے پہ آباد گاؤں اُجاڑے نہیں
سو مرے پانیوں میں لہو کا نہیں
سیب و شہتوت و زیتون و انجیر کا ذائقہ ہے۔"(۳۱)

ناول کے متن میں طلسماتی و داستانی اسلوب ملاحظہ کیجیے:

"گرتی ہوئی آبشار
جھلملاتی روشنی
فضا میں بلند ہوتا پتھریلا تخت، اُڑتی ہوئی پری
گرتی ہوئی آبشار کے سرے پر کھڑی خوب صورت لڑکی
غار کا پتھریلا چبوترہ
پتھریلے چبوترے پر انسانی ہتھیلی کی لکیروں سے مماثل لکیریں
خوبصورت ہونٹ
ہونٹوں پر ایک لمبوترا، سیاہ تل
ایک خوبصورت ہاتھ
ہاتھ کی ہتھیلی پر جانی پہچانی لکیریں۔"(۳۲)

"اسے لگا جیسے اب کے دکشا نے چندر دیوتا کے بجائے روہنی (الدبران) کو سزا کے لیے منتخب کر لیا ہے اور باقی دیوتاؤں نے اس سزا کو خاموشی سے قبول کر لیا ہے، کیوں کہ وہ اس کی خوبصورتی سے جلتے ہیں۔"(۳۳)

متن میں تلمیح کی تقلیبی صورت دیکھیے:

"جندر پر چھائی ہوئی رات کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے ہمیشہ یہ خیال آتا ہے کہ گوتم بدھ اگر نروان حاصل کرنے کے لیے برگد کے سائے کے بجائے کسی جندر کا انتخاب کرتا تو بہت کم وقت میں اپنی منزل پا لیتا کہ میرے نزدیک ارتکاز توجہ کے لیے، اس اسرار بھری کائنات میں، گھومتے جندر کی سریلی گونج سے بہتر کوئی چیز نہیں۔"(۳۴)

"پھر اس نے دیکھا کہ اس کا بدن زمین سے گز بھر کے فاصلے پر اوپر فضا میں ایک بالے میں پرویا ہوا ہے۔ یوں جیسے باربی کیو کے لیے برہ پرویا جاتا ہے اور وہ بدن پرونے والوں کو محبت سے دیکھ رہا ہے، جیسے عیسیٰ ابنِ مریم نے صلیب چڑھانے والوں کو دیکھا تھا۔"(۳۵)

زمانی انتشار (Temporal Distortion)

زمانی انتشار ایک اہم مابعد جدید تکنیک ہے۔ یہ ایسی تکنیک ہے جس میں فکشن نگار زمانی تسلسل کا کوئی خیال نہیں رکھتے بلکہ ایک ہی کہانی میں ماضی، حال اور مستقبل ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ملتے ہیں۔ زمانی انتشار سے مراد:

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"A narrative with a non-linear time line, that is , a story that does not follow as chronological order [36]".

مابعد جدیدیت میں زمانی انتشار مختلف پہلوؤں اور طریقوں سے برتا جاتا ہے۔ زمانی انتشار وقت کی توڑ پھوڑ اور زمان و مکان کے حوالے سے متن کی تشکیل پر بحث کرتا ہے۔

اختر رضا سلیمی نے اپنے ناولوں میں زمانی انتشار کا بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ خصوصاً اپنے پہلے ناول " جاگے ہیں خواب میں" میں انھوں نے اس تکنیک کے استعمال سے ہزاروں سالوں پر محیط زمانے کو اپنے کینوس پر ڈھالا ہے۔ وہ اپنے کرداروں کو ماضی، حال اور مستقبل میں بیک وقت سفر کرتا ہوا دکھاتے ہیں۔ ان کی اس خوبی کا ذکر محمد سلیم الرحمان نے اِن الفاظ میں کیا ہے:

"ماضی، حال اور مستقبل کو باہم دگر پرو کر ناول کو بنا گیا ہے۔"(۳۷)

ستیہ پال آنند کے مطابق:

"اختر رضا سلیمی کا ناول "جاگے ہیں خواب میں" شاید اُردو کا پہلا ناول ہے جو ایک مکان میں رہتے ہوئے دو زمانوں کا احاطہ کرتا ہے۔" (۳۸)

ڈاکٹر صلاح الدین درویش نے اختر رضا سلیمی کے ناول میں زمانی انتشار کے استعمال کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"اختر رضا سلیمی نے اسلوب کے اس وسیلے سے ایک اور کام لیا ہے کہ ایک ہی کردار بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل میں باقاعدہ زندہ اور متحرک دکھایا گیا ہے۔"(۳۹)

اس تناظر میں شیخ نوید لکھتے ہیں:

"مصنف ہمیں راوی کے لاشعور میں لا کھڑا کرتا ہے جہاں بوڑھا اپنے ماضی، حال اور مستقبل سے پنجہ آزمائی میں مصروف ہے۔"(۴۰)

اختر رضا سلیمی کے ناولوں میں سے زمانی انتشار کے حوالے سے چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

"ناول میں 'ٹائی ٹن' حقیقت میں ٹائی ٹینک۔ دونوں اپریل کی ایک رات حادثے سے دوچار ہوتے ہیں۔ دونوں حادثے بحر اوقیانوس میں پیش آتے ہیں۔ دونوں مضبوط ترین اور محفوظ ترین جہاز تصور کیے جاتے ہیں۔ دونوں پر مسافروں اور عملے کے افراد کی ایک بڑی تعداد سوار ہے۔ دونوں ایک برفانی تودے سے ٹکرا کر غرق ہوتے ہیں۔ دونوں جہازوں کے مسافروں کی ہلاکتوں کا سبب حفاظتی کشتیوں کی کم تعداد ہے۔ ٹائی ٹن میں چوبیس، ٹائی ٹینک میں بیس۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" اس نے حیرت سے سوچا تھا۔

"۱۹۱۲ء میں حادثے کا شکار ہونے والے اور پندرہ سو تین افراد کی موت کا سبب بننے والے ٹائی ٹینک کی تباہی کا سکرپٹ مارگان رابرٹسن نے چودہ سال پہلے ۱۸۹۸ء میں لکھ دیا تھا۔"(۴۱)

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ چٹان پر کندہ عبارت....."

"بالکل۔ یہ آپ کے آباؤاجداد ہی میں سے کسی نے کندہ کروائی تھی۔ کوئی پچاس، نوے پشت پہلے۔ آپ اسی شخص کی اولاد میں سے ہیں۔ اگر یہ کچھ دن اور کومے میں رہتا تو ممکن ہے اور بھی بہت پیچھے جاتا۔ شاید بابا آدم تک۔"(۴۲)

"یہ منور لمحہ پینسٹھ سال پہلے کا لمحہ ہے۔ اگر میں پینسٹھ سال پہلے اس کرن کی رتھ پر سوار ہوتا تو آج میری عمر ایک لمحہ ہوتی اور میں ابد تک اپنی عمر کے اگلے لمحے کو ترستا رہتا۔ جیسے بگ بینگ سے اُبھرنے والا ایک فوٹان؛ جس کی عمر آج بھی اتنی ہے جتنی بگ بینگ کے وقت تھی۔ پونے چودہ ارب سالوں سے وہ اگلے لمحے کو ترس رہا ہے۔"(۴۳)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"وہ دیکھتا کہ اس کا وجود اک، دوابعادی روشن سایہ ہے جو ٹھوس سے ٹھوس چیز سے بھی گزر سکتا ہے۔ جب کہ اس کی نظر چار ابعادی ہو گئی ہے اور ازل سے ابد تک کا ہر منظر اس پر آئینہ ہو گیا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ازل اور ابد ایک ہی لمحے میں سانس لے رہے ہیں اور ان کے چاروں طرف خلا ہے، خلا جو ابتدا و انتہا سے ماورا ہے۔" (۴۴)

"میں ماضی میں بہت دور تک دیکھ سکتا ہوں: اتنا دور کہ یہ رات اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ویسے رات بھی عجیب سے ہے۔ نظر جھکاؤ تو لمحہ موجود میں، نظر اُٹھاؤ تو دور ماضی بعید میں۔" (۴۵)

سیاہ مزاح (Black Humour)

سیاہ مزاح کی اصطلاح بھی ایک اہم مابعد جدید تکنیک کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس تکنیک میں نہایت ڈراؤنے اور صدمہ انگیز معاملات کو مزاحیہ انداز میں پیش کر دیا جاتا ہے۔

"A humorous way of looking at or treating something that is serious or sad (46)".

اس تکنیک میں فکشن نگار ہنسی اور شکست کے امتزاج سے مزاح پیدا کرتے ہیں اور بعض اوقات موت جیسے خوفناک موضوع کو بھی نہایت شگفتگی کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے۔ اختر رضا سلیمی نے اپنے ناولوں میں اس مابعد جدید تکنیک کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ ان کے ناولوں سے اس کی چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

"انھوں نے آگے بڑھ کر مکڑی کے ایک بڑے جالے کا باریک بینی سے جائزہ لیا، جو غار کی چوڑائی اور اونچائی کو محیط تھا۔ جالا دیکھ کر وہ یوں خوش ہوئے جیسے ان کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا ہو۔" (۴۷)

"سخت سردی کی وجہ سے اس کا جسم اکڑا ہوا تھا تاہم اس کی سانس چل رہی تھی۔ اپنے بیٹے کو زندہ پا کر بڑے سردار جی پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے بے ہوش بیٹے سے لپٹ کر دیر تک دیوانوں کی طرح روتے رہے۔" (۴۸)

"ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے وہ بھی مر چکا ہے۔ اس احساس کے اُبھرتے ہی اس نے اپنے بدن کو ٹٹول کر دیکھا۔ خود کو زندہ پا کر وہ شدید صدمے سے دوچار ہوا۔" (۴۹)

"وہ دیکھتا ہے کہ دوسری چارپائی پر اس کی ماں کا کفن میں لپٹا ہوا چہرہ ہے اور یہ منظر بالکل ویسا ہے جیسا اس نے جنگلی اناروں کے جنگل میں دیکھا تھا۔ اسے حیرانی ہوتی ہے کہ اپنی ماں کو مردہ دیکھ کر اسے ذرہ برابر دُکھ نہیں ہو رہا ہے، الٹا ایک راحت کا سا احساس ہو رہا ہے۔" (۵۰)

تاریخی بیانیہ (Historiographic Metafiction)

تاریخی بیانیہ بھی بین المتونیت کی ایک شکل ہے جس میں فکشن کے ساتھ ساتھ تاریخی بیانیہ بھی متن میں شامل ہوتا ہے۔ تاریخی بیانیہ ایک اہم مابعد جدید تکنیک ہے۔ اس تکنیک کی رو سے فکشن کے متون اپنے اندر بہت سے تاریخی حوالے بھی رکھتے ہیں۔ بعض اوقات تخلیق کار اصل تاریخی کرداروں اور اصل تاریخی واقعات کو بھی اپنے متن میں شامل کر لیتے ہیں۔

"The term is used for works of fictions which combine the literary devices of metafiction with historical fiction (51)".

اختر رضا سلیمی نے صدیوں پُرانی تاریخ کو جگہ جگہ اپنی تخلیق کا حصّہ بنایا ہے۔ انھوں نے ہزارہ اور ٹیکسلا کی وادی میں اشوک سے لے کر سکھوں اور انگریزوں کی آمد اور مقامی لوگوں سے ان کے تعلقات کو اپنے ناولوں میں خاص طور پر جگہ دی ہے۔ اس حوالے سے معرکہ بالاکوٹ میں سکھوں کے ساتھ سیّد احمد شہید کی لڑائی کا بیان نیز بدھ مت، اشوک اعظم اور ٹیکسلا کی تہذیب کا بیان قابلِ ذکر ہے۔ ان کی اس خصوصیت سے متعلق ڈاکٹر ناہید قمر لکھتی ہیں:

"ناول کے ہیرو زمان کے جینیاتی حافظے کا سلسلہ تاریخ اور مابعد التاریخ کا شعور عطا کرنے کے ساتھ ساتھ کائنات کے سربستہ رازوں کی تفہیم کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔" (۵۲)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تاریخی بیانیے کے حوالے سے ڈاکٹر نذر عابد کی رائے ہے کہ:

"ناول نگار نے اپنے اس ناول میں ایک خاص خطے کے لوگوں کی سائیکی اور اجتماعی لاشعور کے اِن نقوش کو دریافت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جن کا تعلق سیّد احمد شہید کی شخصیت اور اُن کی تحریک سے ہے۔"(۵۳)

اختر رضا سلیمی کے تاریخی شعور سے متعلق محمد حمید شاہد لکھتے ہیں کہ:

"جاگے ہیں خواب میں" مجھے قدرے زیادہ متوجہ کرتا ہے۔ اس کا لوکیل ایسے علاقے کو بنایا گیا ہے جو کم کم اُردو فکشن کا حصہ ہوا ہے۔ پھر اس میں وقت کو تاریخی اور تہذیبی حوالوں سے پیچھے جا کر گرفت میں لینے اور سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔"(۵۴)

اختر رضا سلیمی کے ناولوں میں سے تاریخی بیانیے کے چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

"قلی خان اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھا، جب تک اس نے راجہ کو قتل نہیں کر دیا؛ اور وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔ یوں اس نے اس خطے میں بغاوت کا پہلا بیج بویا تھا، جس کی فصل اب سروں تک آگئی تھی۔.... ٹھیک دس سال پہلے، جب سکھا شاہی آغاز ہوئی تھی اور ان کی ریاست کے راجہ سمیت ارد گرد کی بیشتر ریاستوں کے سربراہان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ ان کی ریاست کے راجہ نے امر سنگھ مجیٹھہ کو، جسے رنجیت سنگھ نے ہزارہ کا گورنر مقرر کیا تھا، ان کے چھوٹے سے قبیلے کے خلاف یہ کہہ کر اُکسایا کہ ہزارہ میں سکھ حکومت اس وقت تک مضبوط نہیں ہو سکتی جب تک وہ اس سرکش قبیلے کو مطیع نہیں کر لیتی۔"(۵۵)

"اتنے میں جمعدار ٹیک سنگھ کشمیر سے ایک ہزار مسلح افراد کا دستہ لے کر گڑھی پہنچ گیا۔ دوسری طرف ہزارہ کی جو فوج شنکیاری میں تھی اور جسے پیش قدمی کا حکم پہلے ہی مل چکا تھا، شام ڈھلے مٹی کوٹ کے پہاڑ پر پہنچ گئی اور پھر رات کے اندھیرے میں موضع بالا کوٹ کی پہاڑی پر اُتر آئی، جہاں نیچے ہوتروں میں سیّد احمد دہلوی اور ان کے ساتھی پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔"(۵۶)

"۱۲ جون ۱۸۴۹ء۔ آج میں ناڑہ نیلاں میں آیا ہوں۔ یہ میاں جانی کی چوکی کے سرے پر واقع ہے۔ پہلے میں یہاں کبھی نہیں آیا تھا۔ بلندی پانچ ہزار فٹ ہے لیکن اس کے مناظر معمولی، غیر دلچسپ، مثل شیروان، ڈنہ سری کوٹ، سری بنگ، ماڑی، جموں اور مچ ہیں۔"

جیمز ابیٹ نے اپنی ڈائری میں اتنا ہی لکھا تھا۔"(۵۷)

"جب حویلی تیار ہوئی تو اس کے افتتاح کے لیے بڑے سردار جی کے دوستوں نے اپنے اور سردار جی کے مشترکہ دوست اور ضلع کے ڈپٹی کمشنر میجر آرایڈمز کو دعوت دی، جو اپنے پورے لاؤلشکر کے ساتھ تشریف لائے، جیسے وہ کوئی سرکاری فرض ادا کرنے آئے ہوں۔"(۵۸)

"ہمارے لیے یہ بات قابلِ فخر ہے کہ خان بہادر سردار فقیر محمد خان صاحب نے ڈپٹی کمشنر میجر جیمز ابیٹ کے ساتھ مل کر اس خطے میں امن قائم کیا۔ پھر انھوں نے کیپٹن جے آر بیچر کے ساتھ مل کر حکومتِ انگلشیہ کے لیے بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ غدر کے موقع پر جب ڈھونڈوں اور کرڑالوں نے مری پر حملہ کر کے وہاں لوٹ مار مچانے کا منصوبہ تیار کیا تو سردار صاحب نے اپنے دوست جے آر بیچر کو اس منصوبے سے بروقت آگاہ کر دیا۔ جس کے بعد بیچر صاحب نے نہ صرف مری کے حکام کو اس کی بروقت اطلاع دی بلکہ اس کی حفاظت کے لیے تین کمپنیاں ایبٹ آباد سے روانہ کیں جن کی وجہ سے اس حملے کو روکنے کے لیے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور غدار اپنے انجام کو پہنچے۔"(۵۹)

"یوں تو یہ رستہ صدیوں سے موجود ہے اور ایک روایت کے مطابق یہ کسی دور میں کشمیر کو ٹیکسلا سے ملاتا تھا اور نیپال اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے طالب علم اسی رستے سے گزر کر ٹیکسلا یونیورسٹی میں پڑھنے جایا کرتے تھے لیکن اسے آج سے کوئی صدی بھر پہلے انگریزوں نے سرکاری جنگل میں آمدورفت کے لیے ہموار کیا تھا اور اس کی چوڑائی گیارہ فٹ مقرر کی تھی۔"(۶۰)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"مجھے نہیں معلوم اس سراسر رضاکارانہ تنظیم کا آغاز کب ہوا۔ شاید زرعی دور کے آغاز ہی سے، جب انسان نے خانہ بدوشی کی زندگی ترک کر کے سکونت اختیار کی اور مل جل کر رہنا سیکھا تو اس نے ایک اجتماعی معاشرے کے قیام کے لیے اس رسم کو ایجاد کیا اور پھر یہ نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی۔ میرے باپ کو، میری ماں کی موت کے بعد اسی 'لیتری' نے اپنی ذات برادری سے جوڑے رکھا۔"(۶۱)

جادوئی حقیقت نگاری (Magical Realism)

جادوئی حقیقت نگاری مابعد جدید فکشن کی ایک اہم تکنیک ہے۔ اس تکنیک کے ذریعے فکشن نگار کچھ ناقابلِ یقین اور مافوق الفطرت عناصر کو متن میں اس طرح شامل کرتا ہے کہ وہ حقیقی واقعات کے بیان میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتے اور نہ ہی ان سے متن کی تفہیم میں کسی قسم کی کوئی دشواری ہوتی ہے۔ جادوئی حقیقت نگاری سے مراد:

"A style of writing, films, arts, etc, that mostly represents life as it really is but with some events or features that are magical or supernatural (62)".

اس تکنیک میں کرداروں کو ماورائی صفات سے متصف کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی ٹیلی پیتھی کے اثرات دکھائے جاتے ہیں، کبھی کرداروں کو ہوا میں اُڑتا ہوا دکھایا جاتا ہے اور کبھی کردار ذہنی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اختر رضا سلیمی نے اپنے دونوں ناولوں کی بُنت میں جادوئی حقیقت نگاری کا بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ ان کی اس خوبی سے متعلق خالد فتح محمد کہتے ہیں:

"جاگے ہیں خواب میں" جادوئی حقیقت نگاری کی اعلیٰ مثال ہے۔۔۔۔ اختر رضا سلیمی بیک وقت نفسیاتی، فلسفے، ECP، آواگون اور جادوئی حقیقت نگاری کی تکنیکوں کو برتتے ہوئے تاریخ، تہذیب، جینیاتی سائنس اور معاشرتی پیچیدگیوں کا بیان ایسے دلچسپ پیرائے میں کرتا ہے کہ اختتام پر ناول کی ضخامت کم محسوس ہوتی ہے۔"(۶۳)

ناولوں میں جادوئی حقیقت نگاری کے استعمال سے متعلق مشرف عالم ذوقی کا کہنا ہے کہ:

"اختر رضا سلیمی نے خواب میں زندگی کے اتنے شیڈز رکھ دیے تھے کہ ہر شیڈ میں ایک فنٹاسی تھی۔"(۶۴)

اختر رضا سلیمی کے ناولوں میں سے جادوئی حقیقت نگاری کے چند اقتباسات بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

"رفتہ رفتہ انھیں محسوس ہوا جیسے پانی ساکت ہے اور زمین چل رہی ہے۔ پھر انھیں لگا جیسے یہ پتھریلا تھلا فضا میں بلند ہو رہا ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک طلسمی قالین کی صورت اڑنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں اس اڑان میں ان کے ساتھ ایک پری بھی شامل ہو گئی۔۔۔۔ اڑتے اڑتے وہ کسی اور جہان میں پہنچ گئے۔"(۶۵)

"ایسا سوچتے ہوئے اس نے اپنے وجود پر غور کیا تو اسے اپنے گرد ایک دیو قامت ہالہ دکھائی دیا جس میں ماہ نور، نوید، اکبر خان، اورنگزیب چچا اور عزیز خان کے ہالے اپنے تمام رنگوں سمیت موجود ہیں جب کہ اس کے باہر بھی کچھ ہالے گردش کر رہے ہیں، جن میں سے اس کی ماں، بہن اور بھائی کے ہالے واضح طور پر پہچانے جا رہے ہیں۔"(۶۶)

"اس نے دیکھا کہ بائیں طرف والا انار تڑخ سا گیا ہے اور اس کے دانے نظر آ رہے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ تڑخنے کی اس آواز پر ڈبو بھی چونکا اور اس نے بھی نظر اُٹھا کر ٹہنی کی طرف دیکھا۔ چٹخا ہوا انار اسے کسی مسکراتی ہوئی حسینہ کے چہرے کی طرح لگا۔ اس نے پلک جھپک کر دوبارہ دیکھا تو وہاں دو ڈوڈیاں سی لٹک رہی تھیں، جو ابھی پھل بننے کے ابتدائی مرحلے میں تھیں۔"(۶۷)

"وہ اس بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں اور اس کے دماغ میں اندھیرا سرسرانے لگا۔ اچانک اس اندھیرے میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا، جس میں اسے اپنی ماں کا چہرہ کفن میں لپٹا ہوا نظر آیا۔ اس نے مارے خوف کے اپنی آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ڈبو بھی خوف سے ہانپ رہا ہے جیسے اس نے بھی کوئی ایسا ہی خوف ناک منظر دیکھا ہو۔"(۸۶)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"گھوڑی ڈینچ انسانوں کا بھیس بدل کر مجھے اکثر ستاتا اور ڈراتا رہتا ہے، مگر میرا دل مضبوط ہے اس لیے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر کبھی تمھارا اس سے سامنا ہو جائے تو ڈرنا مت، بس اسے ہاتھ لگانے کی کوشش کرنا، جوں ہی تم اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاؤ گے وہ خود بخود غائب ہو جائے گا۔ بابا جمال دین نے مجھے کئی بار بتایا تھا۔"(۲۹)

موضوعِ بحث مذکورہ اسالیب کے تنوع پر اجمالی نظر ڈالنے کے بعد راقم الحروف اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اختر رضا سلیمی کے دونوں ناول "جاگے ہیں خواب میں" اور "جندر" مابعد جدید کی تعریف پر پورا اُترتے ہیں۔ اِن ناولوں میں مقامیت، کثرت پسندی، سُرریئلی (Surreal) فضا، بین المتونیت، تاریخی بیانیے اور زمانی انتشار مل کر ایک ایسا مجموعی اسلوب تشکیل کرتے ہیں جو مابعد جدید فکشن کا مروجہ اسلوب ہے۔

☆....☆....☆

حوالہ جات

۱۔ اختر رضا سلیمی، مخاطبہ، مشمولہ: خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۲۰ء، ص ۱۲۲

۲۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۳۔ محمد سلیم الرحمان، معاصرین کی آرا، مشمولہ خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، محولہ بالا، ص ۱۳۷

۴۔ مستنصر حسین تارڑ، معاصرین کی آرا، مشمولہ، خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی محولہ بالا، ص ۱۳۸

5. Anita Wolf (aditor), Britannica Concise Encyclopedia Inc. London. 2006, Page # 1534-1535

۶۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، جدیدیت کے بعد، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۸

۷۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت کی گول میز، مشمولہ، نقاط، شمارہ ۱۴، اپریل ۲۰۱۷ء، مدیر قاسم یعقوب، نقاط مطبوعات، فیصل آباد، ص ۲۰

8. Michael Ryan, "The Encyclopedia of Literary and Cultural Theory (Vol. 1, 2, 3) by Wiley-Black Well. USA 2011, P.715

۹۔ قاضی، محمود احمد، معاصرین کی آرا، مشمولہ خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، محولہ بالا، ص ۱۴۶

۱۰۔ شاہد نواز، ڈاکٹر، اکیسویں صدی کے اردو ناول میں مقامیت کی دل آویز تشکیل، مشمولہ سہ ماہی ادبیات اسلام آباد، شمارہ ۱۲۴، ۱۲۳، جنوری تا جون ۲۰۲۰ء، مدیر اختر رضا سلیمی، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص ۱۵۰-۱۵۱

۱۱۔ نعیمہ بی بی، فکشن کی مابعد جدید تکنیک: مطالعہ و تجزیہ، مشمولہ تحقیقی مجلہ خیابان، بہار ۲۰۲۰ء، مدیر، ڈاکٹر روبینہ شاہین، شعبۂ اُردو، جامعہ پشاور، ص ۱۸۵

12. J.A. Cudden, A Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, 5th Ed. Wiley Blackwell, UsA, 2013, P.552-553

13. Dictionary.Cambridge.org. dated 15-01-2021, 6:00PM

۱۴۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، اشاعت سوم ۲۰۱۷ء، ص ۲۹

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۶، ۳۷

۱۷۔ اختر رضا سلیمی، جندر، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، اشاعت سوم، ۲۰۲۰ء، ص ۱۴

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۰۱

20. openingclass.com/ postmodernliterarytechniques.

۲۱۔ ابوالکلام قاسمی، "مابعد جدید تنقید: اصول اور طریقہ کار کی جستجو"، مشمولہ اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ، مرتبہ گوپی چند نارنگ، اردو اکادمی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۳۴۶

۲۲۔ محمود شام، معاصرین کی آرا، مشمولہ خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، محولہ بالا، ص ۱۳۸

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۲۳۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، محولہ بالا، ص ۲۶
۲۴۔ ایضاً، ص ۲۹
۲۵۔ ایضاً، ص ۱۰۶
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۲۴
۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۴
۲۸۔ ایضاً، ص ۲۳۲
۲۹۔ اختر رضا سلیمی، جندر محولہ بالا، ص ۱۹
۳۰۔ ابوالکلام قاسمی، مابعد جدید تنقید: اصول اور طریق کار کی جستجو، محولہ بالا، ص ۳۴۴
۳۱۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، محولہ بالا، ص ۲۱، ۲۲
۳۲۔ ایضاً، ص ۹۹، ۱۰۰
۳۳۔ ایضاً، ص ۲۱۵
۳۴۔ اختر رضا سلیمی، جندر، محولہ بالا، ص ۴۷
۳۵۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، محولہ بالا، ص ۲۱۶
36. openingclass.com/postmodernliterarytechniques.
۳۷۔ محمد سلیم الرحمان، معاصرین کی آرا، مشمولہ خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، محولہ بالا، ص ۱۳۷، ۱۳۸
۳۸۔ ستیہ پال آنند، محولہ بالا، ص ۱۳۸
۳۹۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۱۴۲
۴۰۔ شیخ نوید، محولہ بالا، ص ۱۵۰
۴۱۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، محولہ بالا، ص ۳۸
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۸۶
۴۳۔ ایضاً، ص ۲۳۱
۴۴۔ ایضاً، ص ۲۴۰
۴۵۔ ایضاً، ص ۳۴
46. Dictionary.Cambridge.org. dated 15-01-2021, 6:00PM
۴۷۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، محولہ بالا، ص ۵۰
۴۸۔ ایضاً، ص ۱۱۵
۴۹۔ ایضاً، ص ۱۴۰
۵۰۔ ایضاً، ص ۲۳۷
51. defination.net/defination for historiographic metafiction metafiction. 05-01-2021/ 11:30 PM.
۵۲۔ ناہید قمر، ڈاکٹر، معاصرین کی آرا، مشمولہ خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، محولہ بالا، ص ۱۴۳
۵۳۔ نذر عابد، محولہ بالا، ص ۱۴۱
۵۴۔ محمد حمید شاہد، گزشتہ چند برس اور اردو ناول مشمولہ، سہ ماہی ادبیات اسلام آباد، محولہ بالا ص ۲۹
۵۵۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، محولہ بالا، ص ۴۲
۵۶۔ ایضاً، ص ۴۷
۵۷۔ ایضاً، ص ۷۱

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۵۸۔ ایضاً، ص ۸۳

۵۹۔ ایضاً، ص ۸۴

۶۰۔ اختر رضا سلیمی، جندر، محولہ بالا، ص ۲۳

۶۱۔ ایضاً، ص ۹۷

62. Dictionary.Cambridge.org. dated 15-01-2021, 7:45PM

۶۳۔ خالد فتح محمد، فلیپ مشمولہ، جاگے ہیں خواب میں، مصنف اختر رضا سلیمی، محولہ بالا

۶۴۔ مشرف عالم ذوقی، معاصرین کی آرا، مشمولہ خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، محولہ بالا، ص ۱۴۰

۶۵۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، محولہ بالا، ص ۸۰

۶۶۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۶۷۔ ایضاً، ص ۲۲۶

۶۸۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۶۹۔ اختر رضا سلیمی، جندر، محولہ بالا، ص ۵۰